لُقمان (حکیم)

حضرت ہودؑ کے بعد ترتیب کے لحاظ سے، حضرت صالحؑ (قوم ثمود) کا تذکرہ آنا چاہیئے لیکن قرآنِ کریم نے ان دونوں کے درمیان ایک ایسی ہستی کا ذکر کیا ہے جو اگرچہ بالتصریح حضرات انبیائے کرامؑ کے زمرہ میں شامل نہیں لیکن اس کی تعلیم کو نمایاں حیثیت دی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ہودؑ مع اپنے متبعین کے اپنی برباد ہونے والی قوم کے دیار و مساکن سے نکل کر حجاز کی جانب آ گئے تھے اور اسی علاقہ میں ان کی نسل (عادِ ثانیہ) بڑھی اور پھیلی۔ ان میں ایک نیک سیرت حکمران گذرا ہے جسے لقمان کہا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکمران حضرت ہودؑ کی شریعت کا متبع تھا اور اپنی حکمت و دانائی کے لحاظ سے حکیم لقمان کے نام سے مشہور تھا۔[1] ایک قدیمی کتبہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے تھے۔

یہی لقمان ہیں جن کا ذکر قرآنِ کریم نے خصوصیت سے کیا ہے۔ اس ذکر سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جب انسانی عقل و بصیرت، وحی کی روشنی میں، فیصلے کرتی ہے تو وہ فیصلے کس قدر صاف، واضح اور انسان کو سلامتی کے راستوں پر لے جانے والے ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کا نظام ہی یہ ہے کہ وحی کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں، اپنے معاملات کے فیصلے عقل و فکر کی رُو سے کئے جائیں۔ اقبالؒ کے الفاظ میں عقل و وحی، علم و عشق، ذکر و فکر، خبر و نظر، خرد و جنوں کا یہی وہ حسین امتزاج ہے، جو اسلام کا طرّہ امتیاز ہے۔ قرآن نے اسی مقصد کے پیشِ نظر لقمان کی حکمت آموز باتوں کا ذکر کیا ہے۔ سورۃ لقمان میں ہے۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَ مَنْ یَّشْكُرْ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝ (۳۱/۱۲)۔

اور ہم نے لقمان کو حکمت و دانائی عطا فرمائی تھی اور کہا تھا کہ وہ اس حکمت کی روشنی میں مصروف

---

[1] مزید تصریحات "خلاصہ مبحث" میں دیکھئے۔

عمل رہے تاکہ اس کی مساعی بھرپور نتائج کی حامل ہوں۔ یاد رکھو! جو اس طرح کوشش کرتا ہے اس کی کوشش کے نتائج خود اس کی اپنی ذات کے لئے ہوتے ہیں ورنہ اللہ ان باتوں سے بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔

اس مقام پر اتنا واضح کر دینا ضروری ہے کہ قرآن کریم نے حضرات انبیائے کرامؑ کے ضمن میں بھی فرمایا ہے کہ انھیں "کتاب و حکمت" عطا کی گئی تھی اور حکمت بھی اسی طرح منزل من اللہ تھی جس طرح کتاب۔ وہاں کتاب سے ضابطۂ خداوندی مرتب ہوتا ہے اور حکمت سے ان قوانین کی غایت و مقصود۔ یہاں کہا گیا ہے کہ لقمان کو حکمت دی گئی تھی۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ اس حکمت سے مراد انسانی فراست نہیں، بلکہ وحیٔ الٰہی ہے۔ لیکن چونکہ قرآن میں کسی جگہ لقمان کا نام انبیاءؑ کے زمرہ میں نہیں آیا اس لئے خیال اس طرف جاتا ہے کہ اس سے مراد انسانی فراست ہی ہے، وہ وحی نہیں جو انبیاء سے مخصوص ہوتی تھی۔

اس سے آگے ہے:

وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ۝ (۳۱/۱۳)۔

اور (یاد کرو) جب لقمان نے اپنے بیٹے سے اُسے نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ برخوردار! خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ بلاشبہ شرک کرنا بڑا ہی ظلم ہے۔

شرک ظلم عظیم ہے

شرک کو ظلم عظیم کہہ کر ایک عظیم حقیقت کو دو لفظوں میں سمو دیا گیا ہے۔ ظلم کے معنی ہیں کسی چیز کو اس جگہ رکھنا جہاں اسے ہونا نہیں چاہیئے۔ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اب اس سے بڑھ کر بے محل بات اور کونسی ہو سکتی ہے کہ انسان مخلوق کو خود خالق کا مقام دے دے (تشریح اپنے مقام پر آئے گی)۔ اس کے بعد اُس علام الغیوب کے متعلق فرمایا۔

یٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ۝ (۳۱/۱۶)

(اور دیکھو، لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا (یاد رکھو) بلاشبہ اعمال (کسی کے بھی ہوں) اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ہوں، پھر وہ کسی پتھر کی چٹان میں (رکھ دیئے گئے) ہوں یا آسمانوں کے اندر یا زمین کے اندر ہوں، خدا ان کے نتائج کو ضرور مرتب کردے گا۔ بلاشبہ خدا بڑا باریک بین اور خبردار ہے۔

دیکھئے! اس مخلوق اور خالق کا فرق کیسا نمایاں طور پر سامنے آگیا؟ اس قسم کا علم سوائے لطیف و خبیر کے اور کسے ہو سکتا ہے؟ پھر احکامات کی طرف توجہ دلائی کہ

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ۭ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (۳۱/۱۷)

پھر کہا، اے میرے بیٹے! صلوٰۃ کو قائم رکھنا اور معروف کا (لوگوں کو) حکم دینا اور منکر سے روکنا اور جو کچھ (مشکل یا مصیبت) تمہیں پیش آئے اس پر ثابت قدم رہنا۔ بلاشبہ یہ باتیں بہت ہی اہم باتیں ہیں۔

نظامِ صلوٰۃ کی پابندی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی میں انفرادی اور اجتماعی نشوونما کی دونوں صورتیں سامنے آگئیں۔ ایک خداشناس کے لئے اس سے بڑا جوہر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ خود اللہ کے قوانین کے سامنے جھکے اور ملک میں قوانینِ الٰہیہ کی ترویج کرے؟ اسی کا نام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اور جب کوئی مصیبت آجائے تو اس وقت پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائے۔ بلکہ قانونِ خداوندی کی تائید و نصرت کے بھروسے پر مردانہ وار اس کا مقابلہ کرے کہ یہ فی الواقع بڑی بات ہے۔

اس کے بعد معاشرتی اصلاح کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا کہ

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ ۭ اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ۝

(۳۱/۱۹ — ۱۸)

اور کہا لوگوں سے (مغرورانہ طریقہ پر) منہ نہ موڑنا اور نہ ہی زمین پر اکڑ کر چلنا۔ بلاشبہ خدا کسی مغرور اور متکبر کو پسند نہیں فرماتا اور اپنی رفتار میں میانہ روی (اعتدال قائم) رکھنا اور آواز کو (بھی

نرم اور) پست رکھنا۔ بلاشبہ آوازوں میں سب سے زیادہ قابلِ نفرت آواز گدھے کی آواز ہے (جو بہت اونچی اور بہت سخت ہوتی ہے۔ آواز کی اس بلندی اور سختی سے بچنا چاہیئے۔)

غور فرمایئے، ایک شاہزادہ کو کس طرح حسنِ اخلاق اور فروتنی کی نصیحت کی جا رہی ہے؟

متذکرہ صدر نصائح پر ایک مرتبہ پھر غور کیجئے اور دیکھئے کہ ان چند ٹکڑوں میں تطہیرِ فکر و نظر، منصبِ حکومت اور اصلاحِ معاشرہ کے مختلف گوشوں کو کس طرح جامع طور پر یکجا کر دیا گیا ہے؟ جنابِ لقمان کا ذکر چونکہ سلسلۂ انبیائے عظام میں نہیں کیا گیا اس لئے ہم انہیں رسول قرار نہیں دے سکتے۔ لیکن اس تعلیم کے متعلق واضح ہے کہ شمعِ نبوت سے اکتسابِ ضیا کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہودؑ کی تعلیم اُس وقت تک ہنوز اپنی اصلی شکل میں موجود تھی اور جب اس تعلیم کو قرآن کریم کی بھی سند مل جائے تو اس کی صحت و عظمت میں کیسے کلام ہو سکتا ہے۔

یہ ہیں وہ لقمان جو آج حکمت و دانائی اور دانش و بینش میں زبانِ زدِ خلائق ہیں۔ جب کسی کے پاس آسمانی قندیل ہو تو اس کے نورِ بصیرت کی کرنیں کیوں نہ دنیا بھر میں پھیل جائیں؟ ؎

گرچہ خوردیم نسبت ایست بزرگ
ذرۂ آفتاب تابانیم

خلاصۂ مبحث

قومِ نوحؑ کی بربادی کے بعد، بنی سام کی پہلی ترقی، قومِ عادؑ سے ہوئی جن کا مسکن احقاف کا علاقہ تھا۔ اس قوم کو قوت و حشمت اور دولت و ثروت کی فراوانی عطا ہوئی تھی۔ انہی کو عادِ ارم یا ذات العماد بھی کہتے ہیں۔ یہ پہاڑوں کے اوپر بڑے مشیّد قلعے اور اونچے اونچے نشانات تعمیر کرتے تھے۔ دولت و حشمت کے ساتھ انہیں دانش و بینش بھی عطا ہوئی تھی لیکن چونکہ یہ چیزیں ضابطۂ خداوندی کے تابع نہ تھیں اس لئے ان کے نتائج امن و اصلاح کے بجائے ظلم و فساد کی صورت میں سامنے آتے تھے۔ ان کے نظامِ زندگی کو صحیح خطوط پر متشکل کرنے کے لئے ان کی طرف حضرت ہودؑ مبعوث ہوئے، انہوں نے آکر وہی انقلاب انگیز دعوت پیش کی جو وحیِ آسمانی کا مقصدِ اولیں ہوتی ہے، یعنی سرکش و متکبر طاغوتی نمائندوں کے ہاتھوں سے قوت و اقتدار اور رزق کے سرچشمے چھین کر خدا کے نظامِ ربوبیت کے تابع لے آنا۔ ظاہر ہے کہ اس سے ایک طرف سردارانِ قوم کے

غلبہ واستیلاء بڑھ رہی تھی اور دوسری طرف دنیائے مذہب کے اَرْبَابٌ مِّنْ دُونِ اللہ کی تقدس و عقیدت کی سندیں چھنتی تھیں۔ اس لئے ان دونوں کی طرف سے مخالفت یقینی تھی۔ ارباب حکومت نے تمسخر واستہزاء اور ترہیب و تخویف سے کام لیا اور مذہب کے خودساختہ علمبرداروں نے یہ کہہ کر عوام کو مشتعل کیا کہ دیکھو! یہ نئی تعلیم تمہارے آباء واجداد کے مسلک کے خلاف ہے اور اس داعیٔ انقلاب کا مسلک یہ ہے کہ تمہیں تمہارے اسلاف کی روش سے بیگانہ بنادے۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، یہ لوگ علم وعقل بھی رکھتے تھے لیکن جب علم وعقل جذبات کے تابع آجائیں تو نہ وہ علم، علم رہتا ہے اور نہ وہ عقل، عقل بلکہ اس وقت ان دونوں کا فریضہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ وہ جذباتی مقاصد کے بروئے کار لانے کے ذرائع بن جائیں چنانچہ یہی اس قوم کے ساتھ ہوا۔ انہوں نے عقل وہوش سے سوچا ہی نہیں کہ ہمیں ہلاکت وبربادی کے کیسے عمیق و مہیب جہنم سے بچا کر امن وعافیت کی جنت کی طرف دعوت دی جارہی ہے۔ انہوں نے مخالفت کی اور جی بھر کر مخالفت کی۔ حضرت ہودؑ نے امکان بھر کوشش کی کہ وہ اپنے نظامِ حیات کو نظامِ خداوندی کے صحیح خطوط پر لے آئیں۔ لیکن چونکہ اس سے ان کی ہوسِ خون آشامی کی تسکین نہیں ہوسکتی تھی، اس لئے انہوں نے اس دعوت کی طرف کان ہی نہ دھرا۔ چنانچہ ان کے جرائم سنگین سے سنگین تر ہوتے گئے اور جب قانونِ مکافات نے اندازہ کرلیا کہ انکا ناسور لاعلاج ہوچکا ہے اور اس کا زہر جسدِ انسانیت کے صالح حصّہ کے لئے بھی ہلاکت آفریں بنتا جارہا ہے تو اس اٹل قانون کے مطابق یہ فیصلہ کردیا گیا کہ اس زہر آلود حصّہ کو کاٹ کر الگ پھینک دینا ہی ضروری ہے۔ چنانچہ ان پر تباہی کا عذاب آیا اور آندھی کے ایک قیامت خیز طوفان نے ان بستیوں کو مدفن بنادیا اور اس کے بعد دنیا میں صرف ان کے افسانے باقی رہ گئے۔

طبیعی حوادث کا اقوام کی تباہی سے کیا تعلق ہے، اس کے متعلق حضرت نوحؑ کے تذکرہ میں لکھا جا چکا ہے۔

قومِ عاد کے سلسلہ میں قرآنِ کریم نے ایک مردِ دانشمند و نیک سیرت (لقمان) کا بھی ذکر کیا ہے جو غالباً حضرت ہودؑ کی شریعت کے متبع تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو مخاطب کرکے جو نصیحتیں کی ہیں، چونکہ وہ ابدی حقائق پر مبنی ہیں، اس لئے قرآنِ کریم نے انہیں اپنے دامنِ حفاظت میں جگہ دے کر بقائے دوام عطا کردی ہے۔ لقمان (حکیم) کی تاریخی حیثیت ابھی تک تیقّن کے ساتھ متعیّن نہیں ہوسکی۔ (آنے والے زمانہ کے انکشافات اس فریضہ کو بھی ادا کردیں گے) ہم لے اُن کا جو زمانہ متعیّن کیا ہے وہ قیاسی ہے اور بعض ایسی روایات پر مبنی جو دوسری

روایات سے زیادہ قابلِ اعتماد معلوم ہوتی ہیں. بعض کا خیال ہے کہ یہ حضرت ایوبؑ کے بھانجے تھے. بعض کہتے ہیں کہ آپ حضرت داوٗدؑ کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور ایک ہزار سال تک زندہ رہے. بعض کا خیال ہے کہ یہ ایک حبشی غلام تھے. مستشرقین بھی اس باب میں کوئی یقینی رائے نہیں رکھتے. سیل کا خیال ہے کہ یہ 'یونانی ایساپ (AESOP) سے الگ کوئی اور شخصیت نہیں. DR. SPRANGER کا خیال ہے کہ یہ ابوشہ کے الکسائی ALKAI ہی کا دوسرا نام ہے. HITTI اپنی تاریخِ عرب میں اسی خیال کا حامل نظر آتا ہے. توارت کی کتاب الامثال میں یاقہ کے بیٹے اجور (امثال ۱/۳۰) اور لموایل بادشاہ (امثال ۱/۳۱) کی حکمت کی باتیں، عرب کے لقمان کی نصائح سے ملتی جلتی ہیں. اس قیاس کے مطابق جناب لقمان کو بنی اسمٰعیل میں سے ہونا چاہیئے. غرضیکہ کثرتِ تعبیر سے یہ خواب ابھی تک پریشان ہے. اور جیساکہ اوپر لکھا جا چکا ہے، اس کا حل آنے والے زمانہ کے انکشافات کا منتظر. قرآن کریم، تاریخ کی کتاب نہیں. اس لئے اس نے لقمان کی تذکیر و موعظت سے بحث کی ہے، حسب ونسب اور مقام و زمان سے نہیں اور یہیں تک ہمیں بھی اپنے آپ کو محدود رکھنا چاہیئے.

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا

(۲۷/۵۲)

قومِ ثمود

حضرت صالحؑ

جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا